يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ (5:67)

اے رسولؐ! اس ضابطۂ حیات کو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے
تمام انسانوں تک پہنچادو۔

کسی حیوان نے بھی اپنی ہم جنس کے ساتھ
وہ کچھ نہیں کیا جو مرد نے عورت کے ساتھ کیا

عورت قرآن کے آئینے میں

ادارہ طلوعِ اسلام
25/بی، گلبرگ 2، لاہور فون: 042-35714546
Email: idara@toluislam.com
Web: www.toluislam.com

عورت ...... قرآن کے آئینے میں

ہم نے اس موضوع پر اکثر و بیشتر لکھا ہے۔اور بکثرت لکھا ہے۔علاوہ ان مقالات کے جو وقتاً فو قتاً طلوع اسلام میں شائع ہوتے رہے ہیں' پرویز صاحب کی مستقل تصنیف .... طاہرہ کے نام .... اس موضوع پر بڑی معلومات افزا ہے۔ نیز مطالب الفرقان کی مختلف جلدوں میں متعلقہ آیات کی تشریحات مزید تفصیلات در آغوش ہیں۔اس لئے ہمیں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی چنداں ضرورت نہ تھی' لیکن حال ہی میں اس موضوع نے ملک میں جو اہمیت حاصل کی تو اس سے متاثر ہو کر' بیشتر قارئین کی طرف سے تقاضے موصول ہوئے کہ طلوع اسلام میں اس موضوع پر ایک جامع مقالہ کی ضرورت ہے جس میں اس کے مختلف گوشوں کو سامنے لایا جائے۔ازرہِ امتثال امر مقالہ پیش خدمت ہے جو (ظاہر ہے کہ) بنیادی طور پر پرویز صاحب کی تصانیف اور طلوع اسلام میں شائع شدہ مقالات پر مبنی ہے۔ چونکہ جو کچھ ہمارے ہاں مذہب کے نام پر پیش کیا جاتا ہے وہ بیشتر' یہودیت اور عیسائیت میں رائج ''افسانوں'' پر مشتمل ہے اس لئے بغرض تقابل بعض مقامات پر ان کے لٹریچر کے اقتباسات یا حوالے ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ان سے آپ کے سامنے یہ حقیقت آجائے گی کہ جو کچھ ہمارے سامنے اسلام کے نام سے پیش کیا جاتا ہے اس کا سرچشمہ کیا ہے' اور اس کے بعد جب قرآنی حقائق کو سامنے لایا جائے گا' اس سے واضح ہو جائے گا کہ دین کی رو سے حقیقت کیا ہے۔ واضح رہے کہ ہمارے پیش نظر نہ کسی سے بحث و مباحثہ ہے۔نہ کسی پر تنقید و تنقیص مقصود۔ ہمارا مقصد صرف قرآنی حقائق پیش کرنا ہے۔اس سے اگر کسی مروجہ عقیدہ یا کسی کے کسی دعویٰ پر زد پڑتی ہے تو اس کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی' کیونکہ اس باب میں مدعی' قرآن ہے۔ہم نہیں۔ ہمارا فریضہ قرآن کے دعاوی کو پیش کرنا ہے اور بس۔

عیسائیت میں عورت کا مقام

بائبل میں کہا گیا ہے کہ آدم اور اس کی بیوی جنت میں تھے۔ شیطان نے آدم کی بیوی کو بہکایا اور آدم اپنی بیوی کی باتوں میں آ کر بہک اور بھٹک گیا۔ اس بنا پر عیسائیت گناہ اول کا مجرم عورت کو قرار دیتی ہے اور مرد کو اس سے بری الذمہ ٹھہراتی ہے۔ اس جرم کی بنا پر اس کے نزدیک عورت' دنیا میں تمام مصائب کا سرچشمہ ہے' اس لئے انتہائی قابل نفرت مخلوق۔ عیسائیت کا مقدس لٹریچر' عورت کے خلاف طعن و تشنیع سے بھرا پڑا ہے۔ ان کے بڑے بڑے (SAINTS) عورت کو ملعون و مردود قرار دینے میں بڑا فخر محسوس کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نے تجرد کی زندگی بسر کی اور وہ بھی تجرد کی زندگی کو وجہ تقرب خداوندی سمجھتے ہیں۔ انہی کے تتبع میں ان کے ہاں کی (NUNS) بھی تجرد کی زندگی بسر کرتی ہیں۔ یعنی ''جنسی آلائش'' سے دور رہتی ہیں۔ دنیائے عیسائیت میں' صدیوں تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا کہ عورت میں روح بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ سینٹ پال کا قول ہے کہ ''جو عورتیں غیر شادی شدہ ہیں یا بیوہ' میں انہیں تلقین کروں گا کہ میری طرح غیر شادی شدہ رہیں''۔ اس کے بعد اس نے کہا:۔

> آدمی عورت سے پیدا نہیں کیا گیا' عورت آدمی سے پیدا کی گئی ہے۔ آدمی عورت کے لئے پیدا نہیں کیا گیا' عورت آدمی کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ گرجے میں عورتوں کو خاموش بیٹھے رہنا چاہئے انہیں بولنے کی اجازت نہیں۔ قانون کی رو سے انہیں مردوں کے مقابلہ میں کم تر درجہ پر رہنا چاہئے۔ اگر انہیں کسی بات کے معلوم کرنے کی ضرورت پڑے تو گھر جا کر اپنے خاوندوں سے پوچھ لیا کریں۔ عورت کے لئے یہ بات بڑی بے عزتی کی ہے کہ وہ گرجے میں بات کرے۔　　(سینٹ پال)

ایک اور سینٹ (HIEVONYMUS) کا قول ہے کہ ''عورت' شیطان کا دروازہ' برائیوں کی راہ اور بچھو کا ڈنک ہے''۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عورتیں بہشت میں نہیں جاسکتیں۔ اس سے یہ دشواری پیش آئی کہ پھر حضرت مریمؑ کے متعلق کیا کیا جائے۔ سینٹ (THOMAS) نے اس

کا حل یہ بتایا کہ حضرت مریمؑ اور ان کے ساتھ ان تمام عورتوں کو جو کفارہ پر ایمان رکھنے کی بنا پر بہشت میں جانے کے قابل قرار دی جائیں گی۔ مرد بنا دیا جائے گا۔ بلکہ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ وہاں تذکیر و تانیث کا امتیاز ہی اٹھ جائے گا۔ ؎1

عیسائیوں کے ہاں تو ایسے عقائد پیدا ہونے ہی تھے لیکن انتہائی بدقسمتی کہ خود ہم (مسلمان) بھی اس سے محفوظ نہ رہے۔ ہم نے ان عقائد کو ان سے مستعار لیا اور پھر انہیں اسلام کا جزو بنا کر اپنے لٹریچر میں شامل کر لیا۔ قرآن کریم نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ شیطان نے آدم کی بیوی (عورت) کو نہیں بہکایا تھا بلکہ آدم اور اس کی بیوی (مرد اور عورت) دونوں کو بہکایا تھا۔ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ...... (2:36) ''شیطان نے مرد اور عورت' دونوں کو (ھما) بہکایا''۔ (قصہ آدم کی قرآنی تصریحات پرویز صاحب کی کتاب ''ابلیس و آدم'' یا ''مطالب الفرقان'' جلد دوم میں ملیں گی)۔

عورت کی پیدائش

عیسائیت کا عقیدہ یہ ہے کہ پہلے آدم کو پیدا کیا گیا اور جب اس نے تنہائی محسوس کی تو پھر اس کی پسلی سے اس کی بیوی نکالی گئی۔ آپ غور کیجئے کہ یہی تصور' خود ہمارے ہاں بھی کس طرح حقیقت تسلیم کر لیا گیا۔ تفسیر ابن کثیر کا شمار ہمارے ہاں کی مستند ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس میں پیدائش آدم کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ

> حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ ابلیس کی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر کر کے پھر ان پر اونگھ ڈال دی گئی اور ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو پیدا کیا۔ جب آنکھ کھول کر حضرت آدم نے انہیں دیکھا تو اپنے خون اور گوشت کی وجہ سے ان سے انس و محبت پیدا ہوئی۔ پھر پروردگار نے انہیں ان کے نکاح میں دیا اور جنت میں رہائش کا حکم عطا ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد حضرت حوا پیدا کی گئیں۔ حضرت ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے۔ اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا۔ جاگ

کرانہیں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون ہو کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا کہ میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کے لئے پیدا کی گئی ہوں۔

(ترجمہ اردو مولانا محمد جونا گڑھی۔ پارہ اول ص 85)

دوسری جگہ ہے کہ

صحیح حدیث میں ہے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے۔ پس تو اگر اسے سیدھی کرنے کی کوشش کرے گا تو تو اسے توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بیشک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (ایضاً پارہ چہارم ص 66)

اس تفسیر اور روایات کی رو سے (جن کے متعلق بد قسمتی سے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں' حالانکہ ان کے وضعی ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا) ایک تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا وجود مقصود بالذات نہیں۔ وہ مرد کی تسکین کا ذریعہ ہے۔ اور دوسرے یہ کہ چونکہ وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے' اس لئے وہ سیدھی ہو ہی نہیں سکتی۔ جو شخص اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرے گا وہ اسے توڑ دے گا۔ یعنی یہ ٹوٹتے ٹوٹ جائے گی لیکن سیدھی نہیں ہوگی۔

اس کے بعد آپ دیکھئے کہ اس ''ٹیڑھی پسلی'' کو سیدھا کرنے کے لئے کس قسم کی (وضعی) روایات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی حیثیت سے ہمارے ہاں راہ پا گئیں اور ہماری تفسیروں کا حصہ بن گئیں۔ سورۃ النساء میں ایک آیت ہے **اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ** ...... (4:34)۔ اس کا عام ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ''مرد عورتوں پر حاکم یا داروغہ ہیں'' (اس کا صحیح مفہوم آگے چل کر بیان کیا جائے گا) اس ترجمہ کا مدار ان روایات پر ہے جو اس ضمن میں ہمارے ہاں متداول ہیں۔ تفسیر ابن کثیر (سورۃ النساء پارہ پنجم) میں ہے کہ

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے خاوند کی

شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے۔ پس آپ نے اسے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری' اور بدلہ نہ دلوایا گیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی صاحبہ کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئے۔ اس عورت نے حضورؐ سے کہا کہ یا رسولؐ اللہ! میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا' جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا اسے حق نہ تھا۔ وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اور چاہا تھا اللہ نے اور چاہا۔

(صفحہ 20) اردنا امرًا و اراد اللّٰہ وغیرہ۔

تفسیر المنار۔ مفتی عبدہٗ۔ جلد 5 صفحہ 74

آگے بڑھنے سے پیشتر' ذرا دل تھام کر سوچئے کہ اس فقرہ کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔ یعنی (اس روایت کی رو سے) حضورؐ نے فرمایا یہ کہ میں تو چاہتا تھا کہ عورتوں کو بدلہ لینے کا حق مل جائے لیکن جب خدا ہی نہ چاہے تو میں کیا کروں۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ (ان حضرات کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضورؐ کا ہر قول' وحی خداوندی پر مبنی ہوتا تھا۔ وہ ذرا سوچیں کہ اس عقیدہ کی رو سے اس ارشاد نبویؐ کا کیا مفہوم ہوگا کہ ہم نے کچھ اور چاہا تھا اور خدا نے اس کے خلاف حکم دے دیا)۔ اسی تفسیر میں آگے چل کر لکھا گیا ہے کہ

ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ لونڈیوں (بات بیویوں کی ہو رہی ہے۔ کیا انہیں کو لونڈیاں کہہ کر پکارا گیا ہے) کو مارو نہیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمرؓ فاروق آئے اور عرض کرنے لگے یا رسولؐ اللہ! عورتیں آپؐ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہو گئی ہیں۔ اس پر حضورؐ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپؐ نے لوگوں سے فرمایا کہ سنو! میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی ہے۔ یاد رکھو! تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ

اچھے آدمی نہیں۔

حضرت اشعثؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہوگئی۔ اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے۔ اشعثؓ تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرتؐ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا ہے' دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی۔

(صفحہ 21-20)

اسی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ

رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو حکم کرسکتا کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کوئی عورت بطور روٹھنے کے اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں کرتے رہتے ہیں۔ (صفحہ 21)

یہ تو (ہمارے ہاں کے مروجہ مذہب کی رو سے) عورت کی حیثیت ہے مردوں کے مقابلہ میں۔ جہاں تک عورتوں کے گناہوں اور برائیوں کے سرچشمہ ہونے کا تعلق ہے اس سے بھی ہماری کتب روایات بھری پڑی ہیں مثلاً (احادیث کی صحیح ترین کتاب) بخاری شریف میں کہا گیا ہے کہ

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی۔

(بخاری کتاب پیدائش انبیاؑ)

دوسری روایت ہے:۔

حضورؐ نے فرمایا کہ میرے پیچھے' مردوں پر کوئی فتنہ عورتوں سے زیادہ باعث مضرت نہیں۔
(بخاری۔ کتاب النکاح)

ایک اور روایت میں ہے کہ

حضورؐ نے فرمایا کہ نحوست تین چیزوں میں ہے' عورت' گھر' گھوڑا۔

(بخاری۔ کتاب النکاح)

اسی سلسلہ میں ایک اور روایت ہے کہ

حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں دیکھا تو وہاں اکثریت فقیروں کی پائی گئی اور دوزخ میں دیکھا تو اکثریت عورتوں کی نظر آئی۔ 2 (بخاری۔ کتاب الانبیاءؑ)

یہ روایات وضعی ہیں

صاف نظر آ رہا ہے کہ اس مقصد کے پیش نظر' کہ مسلمان اس پر اعتراض نہ کر سکیں کہ بائبل میں یا عیسائیت کے عقائد کی رو سے عورت کو کس قدر قابل نفرت ٹھہرایا گیا ہے' یہودیوں اور عیسائیوں نے خاص سازش کے تحت اس قسم کی روایات' وضع کیں اور انہیں ہماری کتب احادیث میں داخل کر دیا۔ انہوں نے تو ایسا ہی کیا تھا لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ ہم ان وضعی روایات کو احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار دے کر سینے سے لگائے لگائے پھرتے ہیں اور کبھی نہیں سوچتے کہ اس قسم کی روایات کی' حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کس طرح صحیح قرار پا سکتی ہے۔ یہی نہیں کہ خود نہیں سوچتے' جو ''سوختہ بخت'' یہ کہہ دے کہ ایسی روایات کی نسبت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح معلوم نہیں ہوتی' اسے ''منکر حدیث'' قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔

الرجال قوامون علی النساء (4:34)

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ عورتوں کو مارنے پیٹنے کی تائید میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ اس لئے

ضروری ہے کہ اس آیت کا قرآنی مفہوم سامنے لایا جائے۔ یہ پوری آیت اور اس کا مروجہ ترجمہ یوں ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا (4:34)

اس آیت کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے:۔

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے بہ سبب اس کے کہ بزرگی دی اللہ نے بعضے ان کے کو اوپر بعض کے۔ اور بہ سبب اس کے کہ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے سے، پس نیک بخت عورتیں فرماں بردار ہیں۔ نگہبانی کرنے والی ہیں بیچ غائب کے ساتھ محافظت اللہ کے۔ اور جو عورتیں کہ تم ڈرتے ہو چڑھائی ان کی سے۔ پس نصیحت کرو ان کو اور چھوڑ دو ان کو بیچ خوابگاہ کے۔ اور مارو ان کو۔ پس اگر کہا مانیں تمہارا پس مت ڈھونڈو اوپر ان کے راہ تحقیق اللہ ہے بلند بڑا۔ (ترجمہ شاہ رفیع الدینؒ)

اب اس آیت کے قرآنی مفہوم کی طرف آیئے:۔

آیت کا صحیح مفہوم

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اس آیت میں میاں اور بیوی کے متعلق بات نہیں ہو رہی۔ الرجال۔ (عام مردوں) اور النساء (عام عورتوں) کے متعلق بات ہو رہی ہے، اس لئے یہاں گفتگو یہ ہے کہ معاشرہ میں مردوں اور عورتوں کے فرائض مفوضہ کیا ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے طبعی فرائض کی سرانجام دہی کی وجہ سے اکثر اوقات اکتساب رزق سے معذور ہو جاتی ہیں۔ ان کے برعکس مردوں کا سارا وقت اس کے لئے فارغ ہوتا ہے۔ لہٰذا، قرآن نے تقسیم کار کے اصول کے مطابق، مردوں کا فریضہ یہ بتایا کہ وہ **قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ** ہیں۔

لغت میں قام الرجل علی المراۃ کے معنی دیئے ہیں۔ مانھا یعنی اس نے روزی مہیا کی۔ قوام علیھا کے معنی ہیں مائن لھا یعنی اس کی روزی مہیا کرنے والا۔ اس سے آیت کا مفہوم واضح ہو گیا۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ یعنی معاشرہ میں مردوں کے ذمے یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال کے لئے اکتساب رزق کریں۔ اس لئے کہ (بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ) تقسیم کار کے اصول کی بنا پر ایک قسم کی استعداد مردوں کو زیادہ دی گئی ہے اور دوسری قسم کی استعداد عورتوں کو۔ اور چونکہ مردوں کا سارا وقت اکتساب رزق کے لئے فارغ ہوتا ہے اور عورتیں اس سے اکثر اوقات معذور ہو جاتی ہیں، اس لئے مردوں کا کمایا ہوا رزق، عورتوں کی ضروریات کی کفالت کرتا ہے۔ (بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ) اس سے عورتوں کی ضروریات زندگی پوری ہوتی جائیں گی اور ان کی صلاحیتیں نشوونما پائیں گی...... (فَالصّٰلِحٰتُ) اور انہیں فراغت نصیب ہو جائے گی کہ وہ اپنی خاص صلاحیتوں کو اسی مصرف میں لائیں جس کے لئے وہ پیدا کی گئی ہیں۔ یہ معنی ہیں قنتت کے۔ سقاء قنیت اس مشکیزے کو کہتے ہیں جس میں پانی بھرنے کے بعد اسے اس طرح اچھی طرح سی کر بند کر دیا جائے کہ وہ اپنا پانی محفوظ رکھے۔ راستے میں کہیں نہ گرائے اور جہاں ضرورت ہو وہاں اس کا منہ کھل سکے۔ اگر عورتوں کو اکتساب رزق کرنا پڑے تو جس مقصد کے لئے انہیں خاص صلاحیتیں دی گئی تھیں وہ مقصد پورا نہیں ہوگا۔ اس کے بعد دو لفظوں میں اس نکتہ کو اور بھی واضح کر دیا جب فرمایا کہ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ...... یعنی جب اللہ کے قانون نے اس طرح ان کی حفاظت (پرورش) کا سامان بہم پہنچا دیا تو انہیں اطمینان اور فرصت مل گئی کہ وہ اس چیز کی حفاظت کر سکیں جو پوشیدہ طور پر ان کے سپرد کی گئی ہے۔ (یعنی جنین کی حفاظت)۔

یہاں دو باتیں غور طلب ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن، عورتوں کے خصوصی فرائض اور ان سے متعلقات امور کا تذکرہ نہایت سنجیدہ استعاروں میں کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے مروجہ تراجم اور تفاسیر کی رو سے بات یوں بیان کی جاتی ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم اور داروغہ ہیں کیونکہ وہ ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ (ان کے برعکس) نیک بیویوں (فَالصّٰلِحٰتُ) کا شیوہ یہ ہے کہ وہ

فرماں بردار (قٰنِتٰتٌ) ہوتی ہیں اور مرد کی غیر حاضری میں اپنی عصمت کی حفاظت کرتی ہیں۔ یعنی مردوں کا کام یہ ہے کہ عورتوں پر حکومت کریں۔ اور عورتوں کا کام یہ ہے کہ وہ مردوں کی فرمانبرداری اور عصمت کی حفاظت کریں۔ گویا لصّٰلِحٰتُ اور قٰنِتٰتٌ اور حٰفِظٰتٌ ہونا صرف عورتوں کے لئے ہے۔ حالانکہ قرآن نے سورہ احزاب(33:35) میں یہ سب خصوصیات مردوں اور عورتوں دونوں میں مشترکہ طور پر بیان کی ہیں۔ اس لئے اگر احکام الٰہیہ کا ''فرماں بردار'' ہونا عورت کے لئے ضروری ہے تو قرآن کی رو سے مرد کے لئے بھی ضروری ہے۔ لہٰذا' یہ مفہوم کہ مرد کمانے اور حکومت کرنے کے لئے ہیں' اور عورتیں' مردوں کی فرمانبرداری کرنے کے لئے' اس اعتبار سے بھی غلط ہے۔ مرد اور عورت کا باہمی تعلق رفاقت کا ہے اور رفاقت میں ایک کی حکومت اور دوسرے کی فرمانبرداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے رفیق (زوج) ہوتے ہیں اور قانون خداوندی کی اطاعت کرنے والے۔ خود لفظ (زوج) میں مکمل موافقت اور کامل رفاقت کا مفہوم پنہاں ہے۔

عورتوں کو مارنا

اب آگے بڑھئے۔ آیت کا باقی ماندہ حصہ یہ ہے۔ (وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ) چونکہ ہماری تفسیروں میں یہ فیصلہ کرلیا گیا ہے کہ مرد کا کام عورت پر حکومت کرنا اور عورت کا کام مرد کی فرمانبرداری ہے' اس لئے باقی ماندہ آیت کا مفہوم' اسی کی تائید میں' یہ لیا گیا کہ اگر بیوی' مرد کی فرمانبرداری نہ کرے تو وہ پہلے اسے سمجھائے بجھائے' پھر اس سے باہمی تعلقات منقطع کرلے۔ اور اس پر بھی کام نہ چلے تو اسے مارے' پیٹے۔

لیکن' جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' یہاں گفتگو میاں بیوی کے متعلق نہیں ہو رہی' عام مردوں اور عورتوں کے فرائض کے متعلق ہو رہی ہے۔ یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ تقسیم عمل کے اصول کے مطابق' مردوں کا فریضہ یہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اکتساب رزق کریں اور عورتیں' رزق کی طرف سے یوں مطمئن ہو جانے کے بعد اپنے خصوصی وظائف حیات کو بطریق احسن سرانجام دیں۔ اس کے بعد

کہا گیا کہ اگر عورتیں ان انتظامات کے باوجود (جن کی رو سے وہ اکتساب رزق کی طرف سے مطمئن ہو جاتی ہیں) معاشرے کے اس نظم اور تقسیم کار کے اصول سے بلا عذر سرکشی اختیار کریں (جیسا کہ آج کل یورپ کے بعض ممالک میں ہو رہا ہے) تو معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی فوضویت (ANARCHY) کو روکے۔ اس لئے کہ اگر عورتوں نے مرد بننے کے چاؤ میں، بلا عذر، اپنے فرائض کو چھوڑ دیا تو نسل انسانی کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے گا اس کے لئے کہا گیا کہ معاشرہ ایسا انتظام کرے کہ پہلے تو اس قسم کی ذہنیت رکھنے والی عورتوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے کہ ان کی یہ روش معاشرہ کے لئے کس قدر تباہی کا موجب ہے۔ اگر اس پر بھی وہ باز نہ آئیں تو پھر انہیں ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ دیا جائے۔ یہ ایک قسم کی نظر بندی (INTERNMENT) کی سزا ہوگی۔ اور اگر وہ اس پر بھی سرکشی سے نہ رکیں تو پھر انہیں عدالت کی طرف سے بدنی سزا (CORPORAL PUNISHMENT) بھی دی جا سکتی ہے۔

واضح رہے کہ عورت کو نسل کشی کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ مقصد اس ارشاد خداوندی کا یہ ہے کہ نسل کشی کے خلاف سرکشی کی تحریک نہ پیدا ہونے دی جائے۔

یہاں ضمناً یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن کریم نے اسلامی نظام کے لئے مملکت کا وجود لاینفک قرار دیا ہے۔ لیکن اس نے مملکت، حکومت، نظام عدل اور اس کی جزئیات، عدالت وغیرہ اصطلاحات استعمال نہیں کیں۔ چونکہ وہ نظام مملکت کی ذمہ داری تمام امت کے سر پر ڈالتا ہے اس لئے وہ تمام امور کی سرانجام دہی کے لئے (جو آج کل حکومت کے مختلف شعبوں کی طرف سے سرانجام دیئے جاتے ہیں) صرف کم (تم) کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ یا (ہم) کا لفظ۔ مثلاً وہ سرقہ کی سزا کے لئے کہتا ہے کہ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ...... (5:38) تم سارق مرد اور سارقہ عورت کے ہاتھ کاٹ ڈالو"۔ ظاہر ہے کہ سرقہ کے ملزموں کا مقدمہ عدالت میں پیش ہو گا۔ جرم ثابت ہونے پر سزا کا فیصلہ بھی عدالت کی طرف سے ہوگا، اور اس سزا پر عمل درآمد حکومت کی انتظامیہ کی طرف سے، لیکن قرآن کریم نے نہ عدالت کا ذکر کیا ہے، نہ انتظامیہ کا۔ صرف "تم"

کہا ہے۔ ''تم'' سے مراد یہ نہیں کہ معاشرہ میں ہر ایک (یا مستغیث) کو اس کا حق حاصل ہو گا کہ وہ خود ہی چور کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ اس سے واضح ہے کہ آیہ زیر نظر (4:34) میں مردوں (خاوندوں) کو اس کا حق نہیں دیا گیا کہ وہ بیویوں کو پیٹنا شروع کر دیں۔ ایسا فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہو گا۔

یہ ہے صحیح مفہوم اس آیت کا جس کی رو سے ہمیں بتایا یہ جاتا ہے کہ خاوند اپنی بیویوں پر حاکم اور داروغے ہیں اور انہیں حق حاصل ہے کہ وہ بیویوں کو اپنا محکوم اور مغلوب رکھیں۔ قرآن تو کسی انسان کو بھی اس کا حق نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو اپنا محکوم بنائے۔

مرد اور عورت ہمدوش

قرآن کریم نے انسان ہونے کی جہت سے کس طرح مردوں اور عورتوں کو یکساں مقام پر رکھا ہے' اس کے متعلق اصولی طور پر گفتگو مقالہ کے اخیر میں کی جائے گی۔ اس مقام پر چند ایک آیات درج کی جاتی ہیں' جن سے واضح ہو گا کہ قرآن کریم کس طرح' مصاف زندگی کے ہر گوشے اور ہر شعبے میں' مردوں اور عورتوں کو ہم دوش اور ہم قدم قرار دیتا ہے۔ مثلاً اس نے سورہ احزاب میں کہا ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (33:35)

اگر مردوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ قانون خداوندی کی اطاعت سے اپنی ذات کی تکمیل کر سکتے ہیں تو عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے (الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ) اگر مرد اس پارٹی (جماعت) کے رکن بن سکتے ہیں جو خدا کے قانون کے اٹل نتائج پر یقین رکھتے ہوئے امن عالم کی ذمہ دار ہو تو عورتیں بھی اس جماعت کی اسی طرح رکن ہو سکتی ہیں۔ (الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ)

اگر مردوں میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی استعداد کو اس طرح سنبھال کر رکھیں کہ ان کا استعمال صرف قانون خداوندی کے مطابق ہو تو یہی صلاحیت عورتوں میں بھی ہے (اَلْقٰنِتِیْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ) اگر مرد اپنے دعویٰ ایمان کو سچ کر دکھانے کے اہل ہیں، تو عورتیں بھی اس کی اہل ہیں (الصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ) اگر مرد ثابت قدم رہ سکتے ہیں تو عورتیں بھی رہ سکتی ہیں (الصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ) اگر مرد اس خصوصیت کے حامل ہو سکتے ہیں کہ جوں جوں ان کی صلاحیتیں بڑھتی جائیں، وہ شاخ ثمردار کی طرح قانون خداوندی کی اطاعت میں جھکتے چلے جائیں، تو یہ خصوصیت عورتوں میں بھی ہے (الْخٰشِعِیْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ) اگر مردوں میں ایثار کا مادہ ہے تو عورتوں میں بھی ہے (الْمُتَصَدِّقِیْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ) اگر مرد اپنے آپ پر ایسا کنٹرول رکھ سکتے ہیں کہ انہیں جہاں سے روکا جائے وہ رک جائیں تو عورتوں میں بھی اس کی صلاحیت ہے۔ (الصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ) اگر مرد اپنے جنسی میلانات کو ضوابط کی پابندی میں رکھ سکتے ہیں تو عورتیں بھی ایسا کر سکتی ہیں (الْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ) اگر مرد قانون خداوندی کو شعوری طور پر سمجھنے اور اسے ہر وقت پیش نظر رکھنے کے اہل ہیں تو عورتوں میں بھی اس کی اہلیت ہے (الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ) جب یہ صلاحیتیں، دونوں میں موجود ہیں تو ان کے نتائج بھی دونوں کے لئے یکساں طور پر موجود ہونے چاہئیں۔ لہٰذا نظام خداوندی میں دونوں کے لئے حفاظت کا سامان اور اجر عظیم موجود ہے۔ (اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا)۔

قرآن کی ان تفاصیل پر غور کریں اور پھر سوچیں کہ زندگی کا وہ کونسا گوشہ ہے جس کے متعلق یہ کہا گیا ہو کہ مرد میں تو اس کی صلاحیت ہے اور عورت میں نہیں۔ مرد تو یہ کچھ کر سکتا ہے اور عورت نہیں کر سکتی۔ مرد تو یہ کچھ بن سکتا ہے لیکن عورت نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ مرد اور عورت دونوں کے صلاحیت بخش اعمال نتیجہ خیز ہوں گے اور دونوں دوش بدوش جنت میں داخل ہوں گے۔ گھر کی جنت میں، معاشرے کی جنت میں اور پھر اس زندگی کے بعد اگلی زندگی کی جنت میں، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (4:124) ان میں سے کسی کے کام کا نتیجہ ضائع نہیں ہوگا۔
لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى (3:195)

اس میں شبہ نہیں کہ تقسیم کار کے اصول کے مطابق زندگی کے کچھ وظائف ایسے ہیں جو عورتوں کے لئے مختص ہیں۔ (مثلاً جنین کی حفاظت، بچہ کی پرورش اور ابتدائی تربیت وغیرہ) اس کے لئے اس کی جسمانی ساخت کے بعض گوشے بھی مردوں سے مختلف ہیں اور نفسیاتی طور پر بھی بعض ایسی منفرد خصوصیات اور ایثار و قربانی کی صلاحیت۔ ایثار اس قسم کا کہ جنین، ماں کے خون سے مترتب ہوتا ہے۔ اس کی پیدائش کے بعد اس کی پرورش کا انحصار ماں ہی کے عطا کردہ رزق (دودھ) پر ہوتا ہے۔ ماں میں سہار اور برداشت کا مادہ اس قدر فراواں ہوتا ہے کہ وہ بچے کے ہر قسم کے تقاضہ کو نہایت تحمل اور خندہ پیشانی سے پورا کئے جاتی ہے اور اس کے لئے اس سے کسی صلہ یا معاوضہ کی متمنی نہیں ہوتی۔ یہ اور اسی قسم کی دیگر خصوصیات ہیں جن میں عورت منفرد ہوتی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں زندگی کے دوسرے گوشوں میں کارفرمائی کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ قرآن کریم نے امت مسلمہ (مملکت اسلامیہ) کا سب سے اہم فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرار دیا ہے۔ اس میں اس نے مرد اور عورت دونوں کو برابر کا شریک ٹھہرایا ہے۔ سورۃ توبہ میں ہے:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (9:71)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق اور دوست ہیں۔ یہ دونوں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ نظام صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ دہی کا اہتمام کرتے ہیں یعنی یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہیں اللہ اپنی رحمتوں کے سایہ عاطفت میں رکھے گا اور یہ سب اس کی بے پایاں قوت و حکمت کی رو سے ہوگا۔

آپ سوچیۓ کہ اس سے بڑھ کر (مردوں اور عورتوں کی) مساوات کی شہادت اور کونسی ہو سکتی ہے۔

واضح رہے کہ ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' وعظ ونصیحت کا نام نہیں۔ یہ حکومت کا فریضہ ہے۔ سورۃ الحج میں ہے کہ:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (22:41)

یہ (مومنین) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ملک میں حکومت حاصل ہوگی تو یہ اقامت الصلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں گے اور تمام امور کا آخری فیصلہ قوانین خداوندی کی رو سے ہوگا۔

اب ظاہر ہے کہ جب آیت (9:71) میں 'مردوں اور عورتوں' دونوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے' تو ظاہر ہے کہ عورتیں بھی امور مملکت میں برابر کی شریک ہو سکتی ہیں۔

حقوق وفرائض

جہاں تک مردوں (خاوندوں) اور عورتوں (بیویوں) کے حقوق وفرائض کا تعلق ہے' قرآن کریم نے اس عظیم حقیقت کو چار الفاظ میں اس جامعیت سے سمٹا کر رکھ دیا ہے کہ بصیرت اس پر وجد کرتی ہے۔ فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ (2:228)

جس قدر عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں اسی قدر ان کے حقوق ہیں۔

یعنی جو ذمہ داری بھی ان پر عائد کی جائے' اس کے مقابل میں ان کا ایک حق ثبت ہو جاتا ہے۔۔۔ ہر ذمہ داری کے بالمقابل ایک حق۔۔۔ فرمایئے! اس سے بڑھ کر مساوات کیا ہو سکتی ہے؟

لیکن آپ یہ معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ وہی آیت جس کی رو سے قرآن کریم نے عورت اور مرد کے حقوق اور فرائض کو یکساں قرار دیا ہے' یہ حضرات اسے اپنے اس دعوے کے

ثبوت کے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ مردوں کے مدارج عورتوں کے مقابلہ میں بلند ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی دلچسپ بھی ہے اور حسرت آمیز بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ: **وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ** کے بعد ہے: **وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ** (2:228) جس کے (ان کے نزدیک) معنی ہیں۔ ''مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔'' یا یہ کہ مردوں کے درجات عورتوں کی بہ نسبت بلند ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق اور فرائض ایک جیسے ہیں لیکن مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے تو یہ کھلا ہوا تضاد ہوگا۔ اگر ان کے حقوق و فرائض مساوی ہیں تو پھر ایک جنس کو دوسری پر فضیلت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے؟ اور ایک کے درجات بلند کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم نے **درجةً** کہا ہے جس کے معنی ایک درجہ کے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ وہ ایک درجہ کیا ہے جو عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو حاصل ہے۔ اس کا جواب پوری آیت سامنے لانے سے مل جاتا ہے۔ آیت یوں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (2:228)

طلاق یافتہ عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو (نکاح ثانی کے لئے) تین حیض کے عرصہ تک روکے رکھیں (جسے عدت کی مدت کہتے ہیں)...... (اس کے بعد عدت کی تفصیلات دی گئی ہیں اور پھر کہا گیا ہے کہ) یہ ایک بات ہے جس میں عورت کے مقابلہ میں مرد کو پوزیشن ایک گونہ (Advantageous) ہے۔ یعنی عورت کے لئے عدت ہے۔ مرد کے لئے عدت نہیں۔ ورنہ قانون خداوندی کی رو سے مرد اور عورت کے حقوق اور فرائض یکساں ہیں۔

یہ ہے وہ آیت جس کی رو سے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر افضلیت حاصل ہے۔

مردوں اور عورتوں کی مساوات کے خلاف دو اعتراضات اور بھی کئے جاتے ہیں۔ یعنی:

1- وراثت میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے اور

2- شہادت کے لئے دو عورتوں کو ایک مرد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

وراثت میں لڑکی کا حصہ

جہاں تک وراثت کا تعلق ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ (ملاحظہ ہو 4:11) جیسا کہ بتایا جاچکا ہے' قرآن کریم کی رو سے ایک ایسا معاشرہ قائم ہوتا ہے جس میں اکتساب رزق کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے ذمے ہوتی ہے کیونکہ ان فرائض و واجبات کی ادائیگی سے جو بنیادی طور پر عورت کے ذمے ہوتے ہیں' عورت کو بالعموم اتنی فرصت نہیں مل سکتی کہ وہ اکتساب رزق کا بوجھ اٹھا سکے۔ اب ظاہر ہے کہ جس معاشرہ میں اکتساب معاش کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد کے سر پر ہو اس میں معاشی اسباب کی تقسیم میں مرد کا حصہ یقیناً زیادہ ہونا چاہئے۔ یہ وجہ ہے کہ ترکہ میں لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر رکھا گیا ہے۔ لڑکیوں کے ذمہ نہ اپنے اخراجات کی کفالت ہوتی ہے نہ اپنے خاندان کے رزق کی کفالت۔ اس کے برعکس' لڑکے نے اپنے لئے بھی اکتساب رزق کرنا ہوتا ہے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے بھی۔ اس لئے اسے زیادہ حصہ ملنا چاہئے۔ جہاں ایسی صورت نہیں وہاں عورت کا حصہ مرد کے برابر رکھا گیا ہے۔ مثلاً ماں باپ میں سے ہر ایک کا حصہ (1/6) یا کلالہ کی صورت میں بہن اور بھائی میں سے ہر ایک کا حصہ (1/6)۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید نے کلیہ کے طور پر عورت کا حصہ مرد سے نصف رکھا ہے۔

لیکن اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ مرد اپنے اس فریضہ کو نظرانداز کر رہے ہوں اور لڑکیوں کے متعلق اندیشہ ہو کہ وہ کسمپرسی کی حالت میں رہ جائیں گی تو قرآن نے متوفی کو پورا پورا حق دیا ہے کہ وہ اپنے ترکہ کی تقسیم اقتضائے حالات کے مطابق جس طرح جی چاہے (از روئے وصیت) کر جائے۔ قرآن کے مقرر کئے ہوئے حصے اس صورت میں عمل میں آتے ہیں جب متوفی بلا وصیت کئے مر جائے یا اس کی وصیت پورے ترکہ کو محیط نہ ہوتی ہو۔ قرآن میں اس کی

صراحت موجود ہے۔ (آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ مروجہ قانون شریعت کی رو سے' وصیت کا قرآنی قانون منسوخ سمجھا جاتا ہے! یاللعجب)۔

عورتوں کی گواہی

دوسرا اعتراض ہے شہادت کے متعلق۔ سورۃ بقرہ میں آیت نمبر 282 میں ہے کہ جب تم آپس میں قرضہ کا معاملہ کرو تو اسے ضبط تحریر میں لے آؤ اور اس پر دو مرد بطور گواہ بلا لیا کرو۔ اس سے آگے ہے: فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتوں کو بطور گواہ بلا لیا کرو۔ دو عورتیں کیوں بلائی جائیں' اس کی علت قرآن نے یہ کہہ کر خود ہی بیان کر دی ہے کہ یہ اس لئے کہ:

اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

عام طور پر اس آیت کے یہ معنی کئے جاتے ہیں کہ دو عورتوں کی اس لئے ضرورت ہے کہ "ان میں سے اگر ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔"

ضلال کے بنیادی معنی ہیں' بات کا مبہم یا غیر واضح سا ہو جانا۔ ذہن میں الجھاؤ سا پیدا ہو جانا۔ واضح تر الفاظ میں (To Get Confused or Become Perplexed) اس لفظ کی وضاحت کے بعد اب اصل آیت کی طرف آیئے۔ اس آیت سے یہ سوال اٹھائے جاتے ہیں کہ:

1- ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کو کیوں ضروری قرار دیا گیا۔ اور

2- یہ بات خصوصیت سے عورتوں کے متعلق کیوں کہی گئی کہ اگر ان میں سے ایک کو کچھ الجھاؤ سا پیدا ہو جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے؟ اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ قرآن کے نزدیک عورتیں مردوں کے مقابلہ میں کم قابل اعتماد ہیں اور ان میں ذہنی صلاحیت بھی کم ہوتی ہے۔

جہاں تک قابل اعتماد ہونے کا تعلق ہے' قرآن نے شہادت میں مردوں کے لئے بھی دو کی

شرط عائد کی ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ قرآن مردوں کو بھی قابل اعتماد نہیں سمجھتا۔ اسی لئے ایک کو کافی نہیں سمجھا گیا۔ ایک کے ساتھ دوسرے کی شہادت بھی ضروری قرار دی گئی ہے؟ لیکن یہ ظاہر ہے کہ قرآن کا مقصود یہ نہیں کہ ایک مرد قابل اعتماد نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک کے بیان میں سہو یا سقم رہ جائے تو دوسرے کے بیان سے اس کی کمی پوری ہو جائے یعنی اس سے ایک امکانی احتمال کی قانونی روک تھام مقصود ہے۔ مردوں کے متعلق یہ فتویٰ دینا مقصود نہیں کہ مرد قابل اعتماد نہیں ہوتے اس لئے ان میں سے کسی ایک (تنہا) کی شہادت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے یعنی مقصود شہادت کی توثیق (پختہ کرنا) ہے' نہ کہ مردوں کے نا قابل اعتماد ہونے کا اعلان۔

اسی طرح' جب قرآن نے ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کو ضروری قرار دیا ہے تو اس سے بھی یہ مقصود نہیں کہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں کم قابل اعتماد ہوتی ہیں۔ اس لئے ایک مرد کی جگہ دو عورتیں ضروری ہیں۔ یہاں بھی مقصود ایسا طریقہ اختیار کرنا ہے جس سے شہادت زیادہ سے زیادہ یقینی ہو جائے۔ ورنہ جہاں تک مردوں اور عورتوں کے تقابلی (Comparative) اعتماد کا تعلق ہے' قرآن نے دونوں کو ایک ہی حیثیت دی ہے مثلاً قرآن میں جہاں لعان کی شہادت کا ذکر ہے' وہاں ایک عورت کی شہادت کو بھی ایسا ہی قابل قبول قرار دیا ہے جیسا کہ ایک مرد کی شہادت کو۔ (ملاحظہ ہو (24:6-9)۔

اب سوال دوسرا باقی رہ جاتا ہے کہ قرآن نے بالخصوص عورتوں کے متعلق کیوں کہا ہے کہ اگر ان میں سے ایک کو کچھ اشتباہ لاحق ہو جائے' کچھ گھبراہٹ سی ہو جائے تو دوسری عورت اسے یاد دلا دے۔

وہ تو زمانہ نزول قرآن کی بات ہے۔ آپ آج بیسویں صدی میں ہمارے ہاں کی مستورات میں سے کسی کو پہلے پہل عدالت میں لے جا کر گواہوں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیجئے' جہاں گرد و پیش اجنبی مرد ہوں۔ وہاں دیکھئے کہ اس بیچاری کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اس کے پسینے چھوٹ جائیں گے۔ وہ کانپنے لگ جائے گی۔ اس کی گھگھی بندھ جائے گی۔ اگر اس کے ساتھ اس کی کوئی جان پہچان والی عورت موجود ہو تو اس کا حوصلہ بندھ جائے گا۔ اسے کچھ کہنے کی ہمت ہو جائے گی۔ اس دوسری عورت کا ساتھ ہونا اس کے لئے باعث تقویت ہوگا۔ قرآن کریم نے ان عورتوں

کے متعلق کہا ہے کہ:

أَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ (43:18)

یہ زیورات میں پلی ہوئی جھگڑے کے وقت اپنے مافی الضمیر کو بھی واضح طور پر بیان نہیں کر سکتی۔

اس قسم کی ہیں وہ عورتیں جن کے متعلق کہا ہے کہ انہیں عدالت میں جانا پڑے تو ان کے ساتھ (ان کی جان پہچان والی) ایک عورت کھڑی کر دو تا کہ اس کا حوصلہ بندھ جائے۔

ان تصریحات کے علاوہ یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم نے یہ کہیں نہیں کہا کہ ایک عورت کی شہادت کے بعد دوسری عورت کی شہادت لی جائے اور اس طرح دو شہادات ایک مرد کی شہادت کے برابر ہو جائیں۔ اس نے کہا یہ ہے کہ اگر گواہی دینے والی عورت کہیں (Confused) ہو جائے تو اس کے ساتھ کھڑی سہیلی اسے یاد دلا دے کہ صحیح بات کیا تھی۔ (وہ عدالت سے کچھ نہیں کہے گی۔ گواہی دینے والی اپنی بہن کو صحیح بات یاد دلا دے گی) اس سے ظاہر ہے کہ اگر گواہی دینے والی عورت کو کوئی گھبراہٹ نہ ہو وہ کہیں غلطی نہ کرے، تو ساتھ والی عورت کو مداخلت کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی۔

اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ لڑکیوں کی پرورش ''زیورات'' میں نہ کی جائے جس سے وہ معاملات زندگی میں حصہ لینے کے قابل ہی نہ بن سکیں اور یوں غیر مبین (گونگی) بن کر رہ جائیں بلکہ انہیں زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا جائے۔ اس صورت میں وہ غیر مبین نہیں رہیں گی اور دوسری عورت کی مداخلت کی بھی ضرورت نہیں رہے گی۔

یہ ہے حقیقت ان اعتراضات کی جن کی رو سے عورتوں کو مردوں کے مقابلہ میں ناقص العقل، ناقابل اعتماد اور مردوں سے پست درجہ پر قرار دیا جاتا ہے۔

عورتوں کے حقوق ملکیت

پہلے کہا جا چکا ہے کہ تقسیم کار کی رو سے، بیوی بچوں کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری مرد کے سر پر ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت نہ کمائی کر سکتی ہے اور نہ ہی اسے حقوق

ملکیت حاصل ہوتے ہیں۔ وہ کمائی بھی کر سکتی ہے اور اسے ذاتی حقوق ملکیت بھی حاصل ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا (4:32)

ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کے سلسلہ میں' اس غلط تصور کا ازالہ بھی ضروری ہے جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ حقوق ملکیت مرد کو حاصل ہوتے ہیں' عورت کو نہیں ہوتے' عورت اپنے مال اور جائیداد کی آپ مالک ہوتی ہے (4:7)۔ اسی طرح یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ کمائی کرنا مردوں کا کام ہے' عورتیں ایسا نہیں کر سکتیں۔ مرد اور عورتیں' سب اکتساب رزق کر سکتے ہیں۔ جو کچھ مرد کمائے وہ اس کا حصہ ہے۔ جو عورت کمائے وہ اس کا حصہ۔ (یہ الگ بات ہے کہ گھر کی زندگی میں میاں بیوی باہمی تعاون سے کام لیتے ہیں)۔ یہ ٹھیک ہے کہ جہاں تک فطری فرائض کا تعلق ہے' بعض باتوں میں مردوں کو برتری حاصل ہے اور بعض میں عورتوں کو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اپنے آپ کو اپاہج بنا کر' مردوں کی کمائی کو تکتی رہیں اور خود کچھ نہ کریں۔ انہیں چاہئے کہ خدا سے زیادہ سے زیادہ اکتساب کی توفیق طلب کرتی رہیں۔ خدا خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کچھ کر سکتی ہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ عورت کو جو کچھ ترکہ میں ملے' وہ اس کی ملکیت ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی کمائی کی بھی آپ مالک ہوتی ہے یہ الگ بات ہے کہ گھر کا ماحول خوشگوار اور ازدواجی زندگی کامیاب ہو تو میاں بیوی کے تعلقات ''کاروباری'' نہیں رہتے۔ باہمی رفاقت اور تعاون کے ہو جاتے ہیں لیکن ملکیت کی قانونی حیثیت وہی ہے جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ غور کیجئے کہ زندگی کا کوئی گوشہ بھی ایسا ہے جس میں قرآن نے عورتوں کو مردوں سے (یا بیوی کو مرد سے) پست درجہ پر رکھا ہو! ہمارے ہاں عورت کے متعلق جو خیالات رائج ہیں (اور جنہیں بدقسمتی سے قوانین شریعت کہہ کر پکارا جاتا ہے) وہ یہودیوں'

عیسائیوں اور ہندوؤں سے مستعار لے گئے ہیں۔قرآن کا دامن ان سے پاک اور صاف ہے لیکن ہمارے ہاں کی مذہبی پیشوائیت کا' عورت سے ضد' نفرت' تعصب کا یہ عالم ہے کہ زندگی میں تو ایک طرف' اس بے چاری کی موت کے بعد بھی یہ نفرت قائم رہتی ہے۔ان کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر عورت کا قتل کر دیا جائے تو اس کا خون بہا مرد کے خون بہا سے نصف ہوگا۔عورت کی جان کی قیمت بھی مرد کی جان کی قیمت سے نصف ہے۔جن کے تعصب کا یہ عالم ہو'ان سے یہ توقع رکھنا کہ وہ عورت اور مرد کو ہم دوش تسلیم کر لیں گے' عبث ہے۔یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ مملکت کا قانون' قرآنی ہو۔

پردہ

اب ہم زیر نظر موضوع کے اس گوشے کی طرف آتے ہیں جسے سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے' اور چونکہ اس کا تعلق جذبات سے ہے اس لئے وہ نازک بھی بہت ہے۔ ہمارے ارباب شریعت کا اصرار ہے کہ عورتوں کو گھر کی چار دیواری کے اندر بند رہنا چاہئے۔ اور اگر انہیں (مصیبت کے مارے کہیں) گھر سے نکلنا پڑے تو وہ چلتا پھرتا خیمہ (WALKING TENT) نظر آئے۔عورتوں کو اس ہیئت میں رکھنے کے لئے انہیں کسی اتھارٹی کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے خلاف سب سے بڑا اعتراض یہ کیا تھا کہ انہوں نے "اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کو خدا سے ورے ہی خدا بنا رکھا ہے"۔ یہی صورت ہمارے ہاں متوارث چلی آ رہی ہے۔ان کا ہر ارشاد فرمان خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہؐ سے بھی کہہ دیا تھا کہ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ (66:1)۔ جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال قرار دیا ہے اسے حرام مت ٹھہراؤ"۔لیکن احبار و رہبان کو اس کا لائسنس حاصل ہے کہ وہ خدا کے جس حلال کو چاہیں حرام قرار دے دیں۔جس حرام کو چاہیں حلال ٹھہرا دیں۔اس بات میں عورت بچاری ان کا سب سے پہلا اور بڑا ہدف ہے۔اور اس کی ہر (خداداد) آزادی کو پابندیوں کی زنجیروں میں جکڑ دینا' ان کا قابل فخر کارنامہ۔ پردہ اس کی شدید ترین شکل ہے۔ہم نے دیکھا ہے کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حصہ لینے کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے ممنوع قرار دیا ہو۔لیکن ان حضرات نے ان پر زندگی کے تمام دروازے بند کر رکھے ہیں۔

پردہ سے متعلق قرآنی تعلیم کے سمجھنے سے پہلے' یہ دیکھنا ضروری ہے کہ زمانہ نزول قرآن میں رسول اللہ کی اولین مخاطب قوم کی تمدنی اور معاشرتی سطح کیا تھی؟ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ انہیں یہ بھی سمجھانا پڑتا تھا کہ چیخ چیخ کر بولنا اچھی عادت نہیں (31:19) ۔ اکڑ کر چلنا معیوب ہے (31:18) ۔مجلس میں کھل کر بیٹھنا چاہئے اور جب مجلس برخاست ہو تو اٹھ کر چلے جانا چاہئے (58:11) ۔دوسروں کے ہاں جانا ہو تو اجازت لے کر جاؤ (24:27) ۔دوسروں کے ہاں سے کوئی چیز لینی ہو تو دروازہ سے باہر آواز دے کر مانگنی چاہئے (33:53) جب رسولؐ اللہ تمہیں کھانے کے لئے دعوت دیں تو ایسا نہ کرو کہ ابھی ہانڈیاں چولہے پر دھری ہوں اور تم کھانے کے لئے جا بیٹھو۔ نہ ہی ایسا کرو کہ کھانے کے بعد وہیں بیٹھے باتیں کرنے لگ جاؤ۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس سے صاحب خانہ کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے (33:53) ۔اس قوم کو اس قسم کے عام آداب معاشرت بھی وحی کے ذریعے سمجھانے اور سکھانے پڑتے تھے۔اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی تمدنی سطح (بالعموم) کیا تھی اور انہیں مہذب سوسائٹی کی سطح پر لانے کے لئے کس قدر تدریجی تعلیم وتربیت کی ضرورت تھی۔ عورتوں کے ساتھ اختلاط وارتباط کا سوال اس میں خاص اہمیت رکھتا تھا۔ جہالت کا علاج تو مناسب تعلیم وتربیت سے کیا جاسکتا تھا۔لیکن (مدینہ میں) منافقین کی بھی خاصی تعداد تھی جن کا شیوہ ہی شرانگیزی تھا۔عورتوں کے معاملہ میں شرانگیزی جس قدر آسان ہوتی ہے اسی قدر مہلک بھی۔ سورہ احزاب میں' اللہ تعالیٰ نے رسولؐ اللہ سے فرمایا کہ ''اپنی بیویوں'' بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دو کہ وہ باہر نکلا کریں تو اپنے کپڑوں کے اوپر جلباب (OVER-ALL) پہن لیا کریں''۔اس حکم کی ضرورت کیوں پیش آئی' اس کی وضاحت بھی وہیں کر دی۔ یہ مستورات باہر نکلتیں تو منافقین ان سے چھیڑ خانی کرتے۔ جب ان سے کہا جاتا تو وہ جواب میں کہتے کہ ہمیں پتہ نہیں چلتا کہ یہ شریف زادیاں ہیں یا بازاری عورتیں۔ان کی اس حجت کو پورا کرنے کے لئے مومن مستورات سے کہا گیا کہ تم جلباب پہن کر باہر نکلا کرو۔ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ (33:59)۔اس سے تم پہچانی جاؤ گی (کہ تم شریف عورتیں ہو)

اور یہ لوگ تمہیں ستائیں گے نہیں۔ اس سے اگلی آیت میں ہے کہ اگر تمہاری اسی احتیاطی تدبیر کے بعد بھی یہ لوگ اپنی حرکات سے باز نہ آئیں تو پھر ان سے مجرموں جیسا برتاؤ کرو (33:60)۔

اس ایک واقعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم میں عورتوں کے گھروں میں رہنے اور باہر نکلتے وقت خاص احتیاط برتنے کی تلقین اور تاکید اس معاشرہ کے خصوصی حالات کا تقاضا تھی۔ یہ ابدی اور غیر متبدل احکام نہیں تھے۔ اصل چیز قرآنی تعلیم کی روح اور بنیاد ہے۔ وہ ہمیشہ غیر متبدل رہے گی اور اس پر عمل پیرا ہونے کے ذرائع حالات کے مطابق بدلتے رہیں گے۔ جس طرح (مثلاً) جنگ کی ضرورت کی روح اور اصول تو ابدی و غیر متبدل ہیں۔ جنگ لڑنے کے طور طریق اور ذرائع و آلات زمانے کے ساتھ بدلتے رہنے والے۔

اس بنیادی حقیقت کی روشنی میں پردہ کے متعلق قرآنی احکام و تعلیمات آسانی سے سمجھ میں آجائیں گی۔

تحفظِ عصمت

جنسیات کے متعلق قرآنی تعلیم کی روح۔ اس کا اصل الاصول' تحفظ عصمت ہے جو قرآن کی متعین کردہ مستقل قدر ہے وہ اس کا تقاضا مردوں اور عورتوں دونوں سے کرتا ہے...... بلکہ مردوں کا نام پہلے لیتا ہے **يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ** (24:30) اور عورتوں کا بعد میں **يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ** (24:31)۔ وہ مومن مردوں اور عورتوں کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ **الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ** (33:35)۔ ''اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور ایسا کرنے والی عورتیں''۔ لیکن ہمارے ہاں تحفظ عصمت کا مطالبہ عورتوں سے کیا جاتا ہے' مردوں سے نہیں۔ حتیٰ کہ عصمت کا لفظ بھی عورتوں سے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ باعصمت یا اس کے برعکس' عصمت فروش' عورت ہوتی ہے' مرد نہیں۔ عورتوں کے تحفظ عصمت کے لئے تو آئے دن ہنگامے ہوتے رہتے ہیں لیکن مردوں سے تحفظ عصمت کے مطالبہ کے لئے کوئی تحریک نہیں چلائی جاتی۔

بداخلاقی پھیلانے کا ذمہ دار کون ہوتا ہے؟

مذہبی حلقہ کی طرف سے یہ پراپیگنڈہ بھی عام کیا جاتا ہے کہ معاشرہ میں بداخلاقی پھیلانے کی ذمہ دار عورتیں ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر مرد، بدکرداری کے لئے عورتوں کی طرف رجوع نہ کریں، تو عورتوں کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ بدکاری کی مرتکب ہوں۔ اگر کوئی بدنیت عورت، مردوں کے لئے بدکاری کی کشش بھی پیدا کرے، تو اگر مرد مستقل مزاج ہوں تو ان کی کشش و دعوت بھی بدکرداری نہیں پھیلا سکتی۔ بدکرداری کا عملی ارتکاب مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ مرد اس حقیقت کو تسلیم کریں۔ ہر محراب و منبر سے یہ آواز بلند ہوتی رہتی ہے کہ بداخلاقی عورتیں پھیلاتی ہیں۔

مردوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے

عورتوں کو گھروں کے اندر بند کر دینے کے جواز میں یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ ان کے باہر نکلنے سے مردوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ ہم جب بھی اس دلیل کو سنتے ہیں، شرم کے مارے زمین میں گڑ جاتے ہیں کہ مردوں کا ایمان اس قدر کمزور ہوتا ہے کہ عورت کو دیکھنے سے متزلزل ہو جاتا ہے۔ تف ہے ایسے ایمان پر جو اس قدر کمزور ہو! ایسے کمزور ایمان کو ایمان کہنا، لفظ ایمان کی تذلیل ہے۔ اگلے دنوں ایک معزز خاتون کو کہتے سنا گیا کہ اس سے پہلے ہمارے ذمے جو فرائض عائد کئے جاتے تھے، ان میں اب ایک اور کا اضافہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ مردوں کے ایمان کو قائم رکھنا بھی ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ ہمیں گھروں میں بند رہنا چاہئے تاکہ مردوں کا ایمان نہ بگڑے!! قرآن کریم نے اس کے لئے بطور حفظ ماتقدم یہ تدبیر بتائی کہ جب باہر نکلیں تو اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ اور یہ سن کر آپ متعجب ہوں گے کہ اس نے پہلے یہ تلقین مردوں کو کی ہے۔ **قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ** (24:31)۔ اور بعد میں عورتوں سے۔ **وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ** (24:31) لیکن مردوں کو اس کی توفیق کہاں کہ وہ اپنے آپ پر اتنا ضبط کر سکیں۔ کچھ سال ادھر کی بات ہے، پرویز صاحب کے درس قرآن میں سندھ کے ایک (بڑے) مولوی

صاحب تشریف لے آئے۔ درس میں حسب معمول ایک طرف تمکنت اور متانت بر جبین، کچھ خواتین بیٹھی تھیں۔ مولوی صاحب نے کچھ وقت کے لئے تو ضبط کیا لیکن پھر کھڑے ہو کر با آواز بلند کہا کہ ان ''میم صاحبوں'' کو پردے کے پیچھے بٹھاؤ۔ ہمارا ایمان خراب ہو رہا ہے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ ان کی طرف نہ دیکھیں۔ کہا کہ ایسا کرنا مشکل ہے۔ سامعین نے اصرار کیا کہ وہ کمرے کے اندر تشریف لے جائیں۔ وہ طوعاً و کرہاً اندر چلے تو گئے لیکن چند ہی منٹوں کے بعد بڑ بڑاتے ہوئے باہر نکل آئے کہ ان چھوکریوں نے ہماری جان عذاب میں ڈال رکھی ہے انہیں اندر بٹھانا چاہئے''۔ مردوں کو ایمان بڑا عزیز ہے۔ اور اس کے قائم رہنے کا ایک ہی طریق ہے کہ عورتیں گھروں کے اندر بند رہیں۔

نظر بندی

عورتوں کو گھر کی چار دیواری میں بند کر دینا ایک سزا ہے جسے قرآن ان عورتوں کے لئے تجویز کرتا ہے جن سے کچھ بے حیائی کے آثار مترشح ہو رہے ہوں۔ یعنی وہ زنا کی مرتکب تو نہ ہوئی ہوں البتہ ان سے ایسی حرکات نمودار ہوں جو ناجائز جنسی تعلقات کی طرف لے جانے والی ہوں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَۃَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا (4:15)۔

اگر تمہاری عورتوں میں سے کسی سے ایسی بے حیائی کی حرکات سرزد ہوں (جو زنا کی طرف لے جانے کا) موجب بن سکتی ہوں، تو ان کے خلاف اپنوں میں سے چار گواہ لاؤ۔ (اگر اس طرح جرم ثابت ہو جائے گا تو) انہیں گھروں سے باہر آنے سے روک دو تا آنکہ انہیں موت آ جائے یا خدا کا قانون ایسی صورت پیدا کر دے جس سے وہ اس قسم کی حرکات سے رک جائیں۔

اس وقت اس آیت کے دیگر مضمرات سے بحث مقصود نہیں۔ ہم بتانا صرف یہ چاہتے ہیں کہ عورتوں

کو گھروں میں بند کر دینا قرآن کریم کی رو سے جرمِ فحاشی کی سزا ہے۔



ہم نے زمانہ قبل از اسلام (عہد جاہلیت) کے عربوں کی تمدنی اور معاشرتی سطح کے متعلق جو کچھ پہلے لکھا ہے اسے ایک بار پھر سامنے لائیے جس سے یہ حقیقت بار دگر واضح ہو جائے گی کہ ان کے عادات و اطوار کس قسم کے تھے۔ عہد رسالت مآب کے مسلمان مرد اور عورتیں بھی۔ اسی فضاء کے پروردہ تھے۔ قرآن کے پیش نظر ان کی (دل کی گہرائیوں، بلکہ تحت الشعور تک میں جاگزیں) عادات و اطوار کی ایسی اصلاح تھی کہ وہ رفتہ رفتہ قرآنی قالب میں ڈھل جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے بعض اوقات ایسی پابندیاں عائد کرنے کی بھی ضرورت تھی جو عام حالات میں قدرے سخت نظر آئیں۔ اس پس منظر میں قرآن کے اصلاحی اقدامات کا جائزہ لینا چاہئے۔ سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں اسی قسم کی اصلاحی تدابیر کا ذکر ہے۔ اس اصلاحی پروگرام کا آغاز خود حضورؐ کی اہل خانہ خواتین (نساء النبیؐ) سے کیا کیونکہ ان کی زندگی کو دوسری عورتوں کے لئے ماڈل بننا تھا۔ اسی لئے ان سے کہا گیا کہ **لَسۡتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ** (33:32) تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ ان سے کہا کہ **وَقَرۡنَ فِىۡ بُيُوۡتِكُنَّ** (33:33)۔ تم نہایت سنجیدگی اور وقار سے اپنے گھر میں رہو۔ تم سے کوئی چھچھورے پن کی بات سرزد نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد ہے **وَلَا تَبَـرَّجۡنَ تَبَرُّجَ الۡجَاهِلِيَّةِ الۡاُوۡلٰى** (33:33)۔ برج کا مفہوم تو ذرا آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ یہاں یہ دیکھئے کہ ہم نے جو کہا تھا کہ قرآن کے پیش نظر ان مردوں اور عورتوں کے زمانہ جاہلیت کے اطوار و کردار کی اصلاح تھی اس کی تائید آیت کے ان الفاظ سے ہو رہی ہے۔ یعنی ان سے کہا گیا کہ وہ زمانہ جاہلیت کا سا تبرجانہ انداز اختیار نہ کریں۔

انہیں گھروں میں باوقار طور پر رہنے کا سلیقہ سکھایا گیا۔ پھر کہا کہ **فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا** (33:32)۔ اگر تمہیں کسی غیر محرم سے بات کرنی ہو تو اپنی آواز میں ایسی نرمی اور لوچ نہ پیدا ہونے دو کہ اس سے ایسے شخص کے دل میں جو برے خیالات لئے ہو غلط قسم کی آرزوئیں بیدار ہو جائیں۔ اس سے قاعدے کے مطابق عمدہ طریق سے

بات کرو۔

اس آیت میں یہ نکتہ خاص طور پر قابل غور ہے کہ نساء النبیؐ سے کہا جا رہا ہے کہ تم بات بھی اس انداز سے کرو کہ اس سے ایسے شخص کے دل میں جو برے خیالات لئے ہو' غلط آرزوئیں نہ بیدار ہو جائیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ عہد جاہلیہ کے افراد معاشرہ کے قلب ونظر میں کس قسم کی آلودگیاں پیدا ہو چکی تھیں اور ان کی اصلاح کے لئے کس انداز کی تدابیر کی ضرورت تھی۔

زیب وزینت

قرآن کریم' زیب وزینت (تحسین حسن) (یعنی فطرت کی ہر شے کا حسن) کو کس قدر اہمیت دیتا ہے' اس کی وضاحت کا یہ مقام نہیں۔ اس کے لئے (کم از کم) پرویز صاحب کا وہ مقالہ دیکھ لینا چاہئے جو 'آرٹ اور اسلام' کے عنوان سے 'طلوع اسلام بابت جولائی 1979ء میں شائع ہوا تھا اس مقام پر صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ قرآن کریم نے زینت وآرائش کے متعلق کیا کہا ہے۔ سورہ اعراف میں ہے:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِيٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَالطَّيِّبَٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ (7:32)

اے رسولؐ! ان سے پوچھو کہ وہ کون ہے جو زیب وزینت کی ان اشیاء کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بنایا ہے اور خوشگوار سامان رزق کو حرام قرار دے؟

آپ غور کیجئے کہ قرآن کریم نے آرائش وزیبائش کو ممنوع قرار دینے والوں کو کس تحدی سے چیلنج کیا ہے؟ لہٰذا عورتوں (اور مردوں) کے لئے زیب وزینت کو کوئی ناجائز نہیں قرار دے سکتا۔

لیکن زیب وزینت کو اپنے جذبہ تحسین حسن (AESTHETIC SENSE) کی تسکین کا ذریعہ قرار دینے اور اس کی نمود ونمائش کرنے میں بڑا فرق ہے۔ عہد جاہلیہ میں اسے نمود حسن کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ قرآن نے اس جذبہ کی اصلاح کی۔ اس کے لئے اس نے جو لفظ استعمال کیا ہے' وہ بڑا جامع ہے۔ اس نے کہا کہ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَٰهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (33:32) تم زیب وزینت کو عہد جاہلیہ کے جذبہ تبرج کی تسکین کا ذریعہ نہ بناؤ۔

تبرج کا مادہ (ب رج) ہے جس کے بنیادی معنی ابھارنے کے ہیں۔(لفظ برج) سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی)۔ اسی کو نمود اور نمائش کہتے ہیں۔ لیکن اس کا نفسیاتی مفہوم اس سے گہرا ہے۔ ابرہج اس بلونی یا مشک کو کہتے ہیں جس میں دودھ بلویا جاتا ہے۔ دودھ بلونے سے اس میں جس قدر تحرک اور تلاطم پیدا ہوتا ہے' ظاہر ہے۔ لہٰذا' برج اس قسم کے نمود حسن اور نمائشِ زینت کو کہیں گے جس سے ان مردوں۔ کے سینے میں' جن کا قلب ونگاہ آلودہ ہو' جذبات کا تلاطم برپا ہو جائے۔ عہد جاہلیہ میں نمودِ حسن و آرائش سے یہی مقصود تھا قرآن نے اسی سے منع کیا ہے' یعنی بالارادہ نمودِ حسن وزینت۔ اسی لئے کہا کہ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (24:31) وہ اپنی زینت کو بالارادہ نمایاں نہ کریں۔ جو از خود ظاہر ہو جائے اس کا مضائقہ نہیں۔

ہم نے پہلے دیکھا ہے کہ قرآن نے کن حالات کے تحت عورتوں کو جلباب کے پہننے کی تلقین کی تھی۔ یہاں کہا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ (24:31)۔ انہیں چاہئے کہ اپنے اوڑھنے کی چادریں اپنے سینہ پر ڈال لیا کریں۔ اس باب میں اس حد تک احتیاط ملحوظ رکھی کہ (کہا کہ) وہ چلیں تو اس انداز سے کہ پوشیدہ زینت (پاؤں کے زیور وغیرہ) کی جھنکار بھی سنائی نہ دے۔ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ (24:31)۔

لیکن ان تاکیدات سے مقصد زیب وزینت کی مخالفت نہیں۔ ان احکامات کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ'

> یہ (عورتیں) اپنی زینت کو نمایاں نہ ہونے دیں، بجز اپنے خاوندوں۔ اپنے باپ' سسر' اپنے بیٹے یا خاوند کے بیٹے (یعنی حقیقی یا سوتیلے بیٹے) بھائی' بھتیجے' بھانجے' اپنی (جانی پہچانی) عورتوں یا ان غلام اور لونڈیوں کے (جو اس زمانے میں عربوں کے ہاں کام کاج کیا کرتے تھے)۔ یا دیگر خدمت گاروں میں سے ایسے سن رسیدہ جو جنسی خواہشات سے گزر چکے ہوں یا ایسے بچوں کے جو عورتوں کی پردے کی باتوں (جنسیات) سے ناآشنا ہوں۔ یعنی ان کے سامنے نمود زینت میں کوئی مضائقہ نہیں (24:31)۔

اظہار ونمود زینت کے علاوہ اس نے پرائیویسی کا بھی ایسا خیال رکھا ہے کہ بچوں اور ملازموں کے

متعلق بھی کہہ دیا کہ وہ صبح تمہارے اٹھنے (صلوٰۃ الفجر) سے پہلے۔ دوپہر کے وقت جب تم آرام کر رہے ہو اور رات کے وقت (صلوٰۃ العشا کے بعد) تمہارے کمرے میں آنا چاہیں تو اجازت لے کر آیا کریں (24:57)۔

تطہیرِ قلب ونگاہ

یہ ہیں پردے اور ستر زینت کے متعلق قرآنی احکام وہدایات' بادنیٰ تدبر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ان سے مقصود ان خیالات کی تطہیر اور ان عادات واطوار کی اصلاح تھا جو زمانہ قبل از اسلام (دور جاہلیہ) کی زندگی کا عام شعار تھے اور جو قرآن کے معاشرتی نظام میں فٹ نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ ان احکام کا مقصد یہ بتایا۔ **اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا** (33:33)۔ "خدا چاہتا یہ ہے کہ تم سے قلب ونظر کی آلودگی کو دور کر کے تمہاری سیرت کو پاکیزہ بنا دے"۔ جنسیات کے سلسلہ میں دین کی بنیادی غایت تحفظ عصمت ہے' اور یہ تمام احکام اسی (عصمت) کے پاسبان ہیں۔ اسلامی حکومت (مسلمانوں کی حکومت نہیں بلکہ اسلامی حکومت) کا فریضہ ہوگا کہ وہ اپنے زمانے کے حالات کا جائزہ لے اور پھر دیکھے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں۔ یاد رہے کہ جنسیات کی تطہیر نہ تو ڈنڈے کے زور سے ہو سکتی ہے اور نہ ہی قوانین کو میکانکی طور پر نافذ کرنے سے۔ یہ گہرا نفسیاتی تقاضا ہے جسے دل سے ابھرنے والے خیالات کی تطہیر سے کنٹرول میں رکھا جا سکتا ہے۔ (یہ الگ موضوع ہے جس کے متعلق ہم وقتاً فوقتاً لکھتے چلے آ رہے ہیں) اسی لئے کہا گیا ہے کہ **يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ** (40:19)۔ "خدا نگاہ کی خیانتوں اور دل میں پوشیدہ رازوں سے بھی واقف ہے"۔ خیالات سے اس تقاضا کا کس قدر گہرا تعلق ہوتا ہے اس کا اندازہ ایک پیش پا افتادہ مثال سے لگائیے۔ ایک آوارہ گرد نوجوان جو دن بھر کسی "تازہ شکار" کی تلاش میں پھرتا رہتا ہے' رات کو اپنے گھر میں ایسے کمرہ میں سوتا ہے جس میں اس کی نوجوان بہن بھی ہوتی ہے۔ اس کمرے میں ہی نہیں۔ گھر بھر میں کوئی تیسرا متنفس نہیں ہوتا۔ وہ اس تنہائی میں' اپنی ہمشیرہ کے ساتھ والے پلنگ پر سوتا ہے اور دست درازی تو ایک طرف بہن کی طرف نگہِ غلط انداز سے بھی نہیں دیکھتا۔ ایسا کیوں

ہے؟ وہ اس جوان لڑکی کی طرف بدنگہی سے کیوں نہیں دیکھتا؟ اس لئے کہ اس کے دل میں یہ خیال راسخ ہے کہ بہن کے خلاف آلودہ نگہی سخت معیوب ہے۔ 3

قرآن' اپنی عدیم النظیر تعلیم وتربیت سے اپنے نوجوانوں (لڑکوں اور لڑکیوں دونوں) کے قلب ونگاہ میں ایسی پاکیزگی پیدا کرتا ہے کہ ہر نوجوان لڑکا (اپنی بیوی کے سوا) ہر لڑکی اور عورت کو بہن سمجھتا ہے۔ قرآن کریم نے جب کہا ہے کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (49:10) تو اس کے معنی یہی نہیں کہ مومن مرد آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ مومن عورتیں مومن مردوں کی بہنیں ہیں۔ (قرآن کریم نے یہ لفظ بھائی اور بہن دونوں کے لئے استعمال کیا ہے) (4:177)۔ لہٰذا اگر مناسب تعلیم وتربیت سے' قلب ونظر کی تطہیر ہو جائے تو یہ سارے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر یہ نہ ہو تو دنیا کی کوئی طاقت یا کوئی قانون یا کوئی تدبیر اس کا حل پیش نہیں کر سکتی۔ اگر ایسی تطہیر نہ ہو اور جنسی جذبات بیباک ہوں تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ

پری رُو تابِ مستوری ندارند
چو دربندی' ز روزن سَر برآرند

(پَری جیسے چہرہ والے (زیادہ دیر) چُھپے رہنے کی زحمت گوارا نہیں کر سکتے۔ اگر تو انہیں کمرے میں بند کر کے دروازہ بند کر دے تو وہ روشن دان سے سر باہر نکالنا شروع ہو جاتے ہیں۔

(ترجمہ از سلیم)

حرف آخر

ہم نے شروع میں کہا تھا کہ وہ بنیادی اصول جس پر یہ تمام عمارت استوار ہوتی ہے' آخر میں بیان کی جائے گی۔ اور وہ بنیادی اصول یہ ہے کہ قرآن' پیدائش کی رو سے انسان اور انسان میں کوئی فرق نہیں کرتا۔

یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ جو شخص بنی اسرائیل کے گھرانے میں پیدا ہو وہی جنت میں جا سکے گا۔ غیر بنی اسرائیل جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے۔ یہ پیدائش کی رو سے' انسان اور انسان میں بڑی بنیادی تفریق تھی۔ کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ بنی اسرائیل کے گھرانے میں

پیدا ہوئیا غیر بنی اسرائیل کے گھرانے میں۔ غیر بنی اسرائیل کو ایک ایسے جرم کی سزا دینا جو اس کے بس کی بات ہی نہیں' خدا کے شایان شان نہیں۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ ہر انسانی بچہ اپنے اولین ماں باپ کے گناہ کا بوجھ لادے دنیا میں آتا ہے اور تاوقتیکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے کفارہ پر ایمان نہ لائے' وہ جنت کا مستحق قرار نہیں پاسکتا۔ یہ ظاہر ہے کہ کوئی بچہ اپنے اختیار وارادہ سے دنیا میں نہیں آتا۔ اس لئے انہیں اس بات کی سزا دینا کہ وہ انسانوں کے گھر کیوں پیدا ہوئے ہیں' اصول عدل کے یکسر خلاف ہے۔

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ تمام انسان پیدائش کی رو سے چار ورنوں (ذاتوں) میں تقسیم ہوتے ہیں۔ برہمن (برہما کے سر سے پیدا ہوتے ہیں) اس لئے ہر قسم کی عزت وتکریم' بلکہ اقتدار کے مستحق ہیں۔

کھشتری...... (برہما کے بازوؤں سے پیدا ہونے کی وجہ سے) تخت وتاج کے وارث ہوتے ہیں۔

ویش...... (برہما کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے) وہ کاروبار (بیوپار وغیرہ) کا کام کریں گے اور

شودر...... (برہما کے پاؤں سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے) ان کا فریضہ باقی ورتوں (بالخصوص برہمنوں) کی خدمت گزاری ہے۔ انہیں درجہ انسانیت حاصل ہی نہیں۔

اس تقسیم وتفریق کو بدلنے کا کسی کو حق حاصل نہیں...... آپ غور کیجئے کہ اس تفریق وتقسیم کو برہما (خدا) کی طرف منسوب کرنے سے خدا کا کس قسم کا تصور سامنے آتا ہے؟

قرآن آیا اور اس نے بیک کلمہ (ابدی اصول) باطل کے ان تمام عقائد پر خط تنسیخ کھینچ دیا۔ اس نے کہا

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ (17:70)

ہم نے تمام انسانوں کو یکساں واجب التکریم پیدا کیا ہے۔

اس لئے پیدائش کے اعتبار سے کسی انسانی بچہ میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ خدا نے جس

تعظیم وتکریم کا حامل ''انسان'' کو ٹھہرایا ہے۔ اس میں تمام انسان شامل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ''انسان'' میں مرد اور عورتیں' دونوں شامل ہیں۔ اس لئے قرآن نے جو کچھ ''انسان'' (یاالناس) کے متعلق کہا ہے اس کا اطلاق مردوں اور عورتوں دونوں پر ہوتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ نہ کوئی لڑکا اپنے اختیار وارادہ سے لڑکا پیدا ہوتا ہے' نہ کوئی لڑکی اپنے انتخاب (CHOICE) سے لڑکی۔ اب' لڑکی (یعنی عورت) کو لڑکے (یعنی مرد) سے کسی اعتبار سے بھی پست (INFERIOR) سمجھنا' پیدائشی تفریق کے اسی باطل عقیدہ کی طرف لوٹ جانے کے مرادف ہے جسے مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا۔ بنا بریں، مردوں کو عورتوں سے افضل سمجھنا' قرآن کے اصل الاصول کے خلاف اور منشاء خداوندی کے منافی ہے۔ قرآن کی رو سے' افضیلت' جوہر ذاتی (حسن سیرت وکردار اور اعمال) کی رو سے حاصل ہوتی ہے' نہ کہ پیدائش کی رو سے۔ اور اس اصل الاصول میں مرد اور عورتیں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ یہ تمام خیالات وعقائد جن کی رو سے عورت کو مرد کے مقابلہ میں جنس کا سد سمجھا جاتا ہے' اس ''اسلام'' کے پیدا کردہ ہیں جو ہمارے دور ملوکیت میں وضع ہوا تھا' جس میں عورتیں منڈیوں میں نیلام ہوا کرتی تھیں۔ ہماری فقہ کی کتابیں' عورتوں کی خرید وفروخت سے متعلق ''مسائل'' سے بھری پڑی ہیں۔

قرآن کریم نے نمود زینت کو جو مستحسن قرار نہیں دیا' تو اس میں بھی عورتوں کے شرف ومجد کا راز پوشیدہ ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ عیسائیت (اور یہودیت) میں عورت کی تخلیق (یعنی آدم کی پسلی سے پیدا ہونے) کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ آدم (مرد) کے بہلاوے کا ذریعہ بن سکے۔ یعنی ان کے نزدیک عورت کا وجود مقصود بالذات نہیں۔ آدم (مرد) کے ایک تقاضا کو پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسے مرد کے کھلونے کے طور پر پیدا کیا گیا ہے۔۔

قرآن کریم نے اس باطل تصور کو بھی مٹایا اور کہا کہ مرد اور عورت دونوں کی تخلیق مقصود بالذات ہے...... نہ مرد عورت کے کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے' نہ عورت' مرد کے کسی مقصد کے پورا کرنے کا ذریعہ۔ یہ دونوں خدا کے پروگرام کو تکمیل تک پہنچانے کے یکساں ذریعے ہیں۔

عورت کا مقام بلند

قرآن نے تو یہ بتایا۔ لیکن ہمارے ہاں کی عورت کے دل میں اس خیال کو کوٹ کوٹ کر بھرا گیا کہ اس کی تخلیق مقصود بالذات نہیں' بلکہ مردوں کے ایک تقاضا کے پورا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے غیر شعوری طور پر یہ خیال عورت کے تحت الشعور میں جاگزیں ہو گیا کہ اس کا مقصد حیات مردوں کا کھلونا بننا ہے۔ عورت کی طرف سے غیر مردوں کے سامنے' حسن و زینت کی نمود کا جذبہ' غیر شعوری طور پر اس تقاضا کا پیدا کردہ ہے کہ وہ ان کی نگاہوں میں پر کشش بن جائے۔ آپ نے اس پر بھی غور فرمایا کہ قرآن کریم نے جو باپ' بھائی' بیٹے وغیرہ کے سامنے نمود زینت کو معیوب قرار نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سامنے نمود حسن کا جذبہ پر کشش بننا نہیں ہوتا۔ آپ ذرا قرآن کی ان باریکیوں کو بنگاہ تعمق دیکھئے کہ اس نے نمود حسن و نمائش زینت کے خلاف احکامات کے ملحق (دوسری ہی آیت میں) عورتوں سے کہا ہے کہ تم تو زندگی کے کسی گوشے میں بھی مردوں سے پیچھے نہیں ہو' اس لئے تمہارے دل میں مردوں کا کھلونا بننے کا جذبہ کیوں کارفرما ہے؟ جیسا کہ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے۔

اس نے کہا کہ

اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِیْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِیْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیْنَ اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا (33:35)

یاد رکھو! ہم نے مردوں اور عورتوں' دونوں میں اس امر کی استعداد رکھ دی ہے کہ وہ

1- قوانین خداوندی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوں۔

2- ان قوانین کی محض میکانکی طور پر اطاعت نہ کریں' بلکہ دل کی گہرائیوں میں' ان کی صداقت اور نتیجہ خیزی پر ایمان رکھیں۔

3- اپنی صلاحیتوں کی نشو ونما کر کے' انہیں صرف وہاں صرف کریں' جہاں صرف کرنے کا حکم قوانین خداوندی کی رو سے ملے۔

4- وہ عہد جو انہوں نے اپنے خدا سے باندھا ہے (9:11)' اسے سچ کر دکھائیں۔

5- مشکلات اور مصائب کے مقابلہ میں ثابت قدم اور مستقل مزاج رہیں۔

6- نوع انسان کی خدمت کے لئے شاخ ثمر دار کی طرح جھکے رہیں۔

7- اپنی ہر متاع کو' نظام خداوندی پر نچھاور کر دینے کے لئے تیار ہوں۔

8- قوانین خداوندی نے جہاں جہاں سے رکنے کا حکم دیا ہے' وہاں سے رکیں۔ ان پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں' ان کا پورا پورا خیال رکھیں۔

9- اپنی عفت و عصمت کی پوری پوری حفاظت کریں۔

10- غرضیکہ زندگی کے ہر قدم پر' قوانین خداوندی کو' اپنے سامنے رکھیں۔

یہ ہیں وہ لوگ جنہیں خدا کا قانونِ مکافات' زندگی کی ہر تباہی سے محفوظ رکھے گا۔ اور انہیں' ان کی سعی و عمل کا اجر عظیم عطا کرے گا۔ اس باب میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں (4:124; 3:194)۔

قرآن عورتوں سے کہتا ہے کہ مرد اور عورتیں کارگاہ حیات میں یکساں صلاحیتوں اور استعدادوں کی مالک ہیں' پھر تمہارے دل میں یہ جذبہ کیوں بیدار ہو کہ تم نمائشِ زینت سے مردوں کی نگاہ میں پر کشش بنو۔ تم کوئی جنس (COMMODITY) نہیں جسے خریداروں کے لئے پر کشش بنا دیا جاتا ہے کہ اس کی قیمت بڑھ جائے۔ جو عورتیں اس کے باوجود اپنے دل سے اس خیال کو نکال نہ سکیں وہ ان سے کہتا ہے کہ

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ (7:176)

ہم تو چاہتے تھے کہ تمہیں' قرآن کے ذریعے' آسمان کی بلندیوں پر لے جائیں' لیکن تم ہو کہ اپنے پست جذبات کے پیچھے لگ کر زمین کی پستیوں کے ساتھ چپکے رہنا چاہتی ہو۔

یعنی ان کے لئے خدا کا پیغام یہ ہے کہ:-

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ، اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو!
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت "کر گئی!"
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے۔

اور یہی اس باب میں حرف آخر ہے۔

حوالہ جات

1۔ ان امور کی تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب:۔

"WOMAN IN ANTIQUITY BY CHARLES SALTMAN"

2۔ یک طرف کہا جاتا ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ "جنت، ماں کے قدموں کے نیچے ہے" اور دوسری طرف بتایا جاتا ہے کہ حضورؐ نے جہنم میں عورتوں کی اکثریت دیکھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ عورتیں، دنیا میں "مائیں" نہیں تھیں؟ اگر مائیں تھی...... اگر سب کی سب نہیں تو ان میں سے بیشتر مائیں ہوں گی...... تو پھر اس کا کیا جواب کہ ان کے پاؤں کے نیچے تو جنت تھی لیکن وہ خود جہنم میں تھیں! صاف نظر آتا ہے کہ ایسی وضعی روایات کو پیش کرنے والے جب عورت کے متعلق بات کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں "بیوی" ہوتی ہے۔ عورت کی کوئی اور حیثیت نہیں ہوتی۔

3۔ (SEX PERVERTION) کی بات الگ ہے۔ وہ انتہائی شدید نفسیاتی مرض کی علامت ہوتی ہے جس کا تعلق مستثنیات (EXCEPTIONS) سے ہوتا ہے۔ ہم اوپر کی مثال میں معمولات سے بحث کر رہے ہیں۔
